محمد عطاء اللہ صدیقی آخری قسط

غیرت کا قتل..... تہذیبی، قانونی اور اسلامی اقدار کی روشنی میں

پاکستان کے مجموعہ تعزیرات کے مطابق بھی عزت کے قتل اور فوری اشتعال کے نتیجہ میں کئے جانے والے قتل کو "قتل عمد" کی بجائے "قتل خطا" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ۱۸۶۰ء سے لے کر اب تک ان قوانین کی تعبیر و تشریح اور اطلاق میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتوں کے سینکڑوں فیصلہ جات ریکارڈ پر ہیں جس میں غیرت کے قتل کو "قتل عمد" نہیں سمجھا گیا۔ ان فیصلہ جات میں سے ایک فیصلہ جو ۲۶ نومبر ۱۹۹۷ء کے اخبارات میں رپورٹ ہوا، ملاحظہ فرمایئے:

"عدالت عالیہ لاہور کے مسٹر جسٹس خالد رانجھا اور مسٹر جسٹس افتخار چودھری نے ایک شخص، صاحب، کی سزائے موت ختم کر کے اسے مقتول کے ورثا کو دیت کی رقم ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ عدالت نے قرار دیا ہے کہ قصاص و دیت آرڈیننس کے تحت بھی ایسا قتل جو کسی منصوبہ بندی کی بنا پر نہ ہوا ہو اور جس میں غیرت کا معاملہ شامل ہو، "قتل عمد" قرار نہیں پائے گا اور قاتل کو قتل خطا کے جرم کے تحت سزا دی جائے گی۔ ایڈووکیٹ سردار لطیف کھوسہ نے عدالت کو بتایا کہ ملزم صاحب نے ایک شخص ملازم حسین کو اپنے گھر کے سامنے پیشاب کرنے سے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ اس سے بے پردگی ہوتی ہے جس پر اس شخص نے کان نہ دھرا..... ملزم نے فوری اشتعال کے تحت درانتی سے وار کیا، ایک وار سے ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔ یہ قتل عمد نہیں ہے۔ اس لئے اس کی سزا معاف کرتے ہوئے اسے رہا کر دیا جائے۔ عدالت عالیہ نے قرار دیا ہے کہ فوری اشتعال اور غیرت کے مسئلہ پر قتل قصاص و دیت آرڈیننس کے تحت بھی قتل عمد شمار نہیں ہو گا۔ عدالت نے ملزم کو دیت ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے بری کرنے کے احکامات جاری کئے ہیں" (روزنامہ "خبریں" "نوائے وقت" لاہور)

راقم الحروف نے مندرجہ بالا فیصلہ کا انتخاب دو وجوہات کی بنا پر کیا ہے۔ اولاً یہ کہ ملزم کے فوری اشتعال کا باعث مقتول کی طرف سے اپنے گھر کے سامنے پیشاب کرنے پر اصرار تھا، یہ عمل خواتین کی عملاً بے آبروئی سے کہیں کمتر درجہ کا ہے۔ اگر محض گھر کے سامنے پیشاب کرنے والے شخص کے قتل کو قتل خطا قرار دیا جاتا ہے تو وہ شخص جو کسی غیر مرد کو اپنی کسی عزیزہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر اسے قتل کر دیتا ہے، قتل خطا کی سزا کا کہیں زیادہ مستحق ہے۔ ثانیاً، یہ فیصلہ لاہور ہائیکورٹ کے جس ڈویژن بنچ نے دیا، اس میں جناب خالد رانجھا صاحب بھی شامل تھے، جو مختصر مدت کے لئے جج کے عہدہ پر فائز رہے۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جب مارچ ۱۹۹۹ء کے پہلے ہفتے کے دوران لاہور ہائیکورٹ نے غیرت کے مسئلہ میں ایک باپ کو اپنی بیٹی کے قتل کرنے کے جرم میں بری کرنے کا فیصلہ سنایا تو یہی خالد رانجھا صاحب، جو آج کل دوبارہ وکالت کر رہے ہیں، موجود تھے۔ جنہوں نے عاصمہ جہانگیر کے ساتھ ایک مشترکہ بیان میں لاہور ہائیکورٹ کے اس فیصلہ کو "قتل کا لائسنس" قرار دیا۔ انسانی حقوق کی نام نہاد علمبردار عاصمہ جہانگیر جو خالد رانجھا صاحب کے مذکورہ فیصلہ پر خاموش رہیں، تازہ ترین فیصلہ کے خلاف سراپا احتجاج بن گئیں۔ عاصمہ جہانگیر کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیرت کے مسئلے پر اگر

مقتول مرد ہو اور اس کے قاتل کو بری کر دیا جائے تو اس پر بہ ظاہر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا، البتہ اگر مقتولہ کوئی فیشن ایبل خاتون ہو تو یہ ایسا معاملہ ہے جس کیلئے آسمان سر پر اٹھا دیا جاتا ہے۔

عاصمہ جہانگیر اور اس کی حوالی موالی بیگمات کا یہ دعویٰ بھی خلاف حقیقت ہے کہ غیرت کے نام پر تمام جرائم صرف عورتوں کے خلاف جرائم ہیں۔ عاصمہ جہانگیر کا انسانی حقوق کمیشن محض مقتولہ عورتوں کے اعداد و شمار جمع کرنے میں ہی دلچسپی لیتا ہے ورنہ عام مشاہدہ اور اخباری رپورٹیں یہی بتاتی ہیں کہ غیرت کے نام پر قتل ہونے والوں میں مردوں کا تناسب عورتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ مقتول مردوں کی اچھی خاصی تعداد تو وہ ہوتی ہے جنہیں محض عورتوں کو چھیڑنے سے منع کرنے پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ قبائلی علاقوں میں بھی غیرت کے نام پر قتل کا زیادہ تر شکار مرد ہی ہوتے ہیں۔ عورتوں کی عزتوں پر حملے کے بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں جن میں عورت کی رضا کو قطعاً دخل نہیں ہو گا، ایسے معاملات میں عورتوں کو کچھ نہیں کہا جاتا۔

مزید برآں یہاں یہ وضاحت بھی اشد ضروری معلوم ہوتی ہے کہ غیرت کے قتل کے متعلق سزا میں تخفیف یا استثنا کا فائدہ صرف مردوں کو ہی نہیں ملتا، اس سے الزام علیہ عورتیں بھی فائدہ اٹھاتی ہیں۔ ۱۵ مارچ ۱۹۹۸ء کو ہدایت بی بی نامی ایک عورت نے پشاور میں اپنی عزت کے تحفظ کے لئے اپنے شوہر اور ایک پولیس افسر کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ یہ معروف واقعہ شہ سرخیوں کے ساتھ اخبارات کی زینت بنا رہا۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو عدالت نے اس مشہور واردات قتل کا فیصلہ سنایا۔ ۲۶ اکتوبر کے اخبارات نے اسے یوں رپورٹ کیا۔

"عدالت نے عزت بچانے کی خاطر پولیس افسر اور شوہر کو فائرنگ سے ہلاک کرنے والی غریب آباد (پشاور) کی ہدایت بی بی کو بے گناہ قرار دیتے ہوئے اسے باعزت طور پر رہا کرنے کا حکم دے دیا۔ فیصلہ میں کہا گیا کہ ایک عورت کے پاس عزت سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جب اس کی عزت پر آنچ آ رہی ہو تو پھر وہ اس کے بچاؤ کے لئے ہر اقدام کر سکتی ہے" (جنگ، لاہور)

اس معاملے کو ایک اور پہلو سے بھی دیکھنا مفید ہو گا..... بالفرض غیرت کے قتل کو اگر قتل عمد قرار دے دیا جائے، تو اس کا زیادہ تر نقصان عورتوں کو ہی ہو گا۔ بہت سے مرد سزائے موت کے خوف سے اپنی عورتوں کی حفاظت کے لئے حملہ آور مردوں کو قتل کرنے سے باز رہیں گے جس سے عورتوں کی آبرو پر حملہ کی واردات میں اضافہ ہونے کا امکان بڑھ جائے گا۔ ہدایت بی بی جیسی بہت سی عورتیں جو اپنی آبرو کی حفاظت کی خاطر حملہ آور مردوں کو قتل کر دیتی ہیں، وہ بھی اس رعایت سے محروم رہیں گی..... عاصمہ جہانگیر نے ہدایت بی بی کے اس جرأت مندانہ اقدام کو سراہا، نہ ہی اس کے باعزت رہا ہونے پر کوئی اعتراض کیا۔ ہدایت بی بی جیسی غیور، اسلامی مزاج رکھنے والی غریب عورتیں انسانی حقوق کمیشن کی توجہ کی مستحق کم ہی سمجھی جاتی ہیں۔ اس کمیشن نے تو صرف گھر سے فرار ہونے والی آبرو باختہ لڑکیوں کے حقوق کا مغرب سے ٹھیکہ لے رکھا ہے۔

عاصمہ جہانگیر کا نام نہاد انسانی حقوق کمیشن پاکستان کے اندرونی سندھ اور جنوبی پنجاب کے بعض قبائلی علاقوں کے متعلق "کاروکاری" کے واقعات کے متعلق مبالغہ آمیز اعداد و شمار شائع کرتا رہتا ہے۔ ان کی رپورٹ پڑھ کر تو گماں گزرتا ہے گویا کاروکاری کے واقعات ایک دن میں کئی کئی مرتبہ وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اکا دکا واقعہ کو تشہیر دے کر عاصمہ جہانگیر پاکستان کو بدنام کرنے کی مہم چلا رہی ہیں۔ "کاروکاری" کو ڈیرہ غازی خان اور راجن پور کے قبائل علاقوں میں کالاکالی کی رسم کہا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ماضی میں ان علاقوں کی عورت اور مرد کو بدکاری کرتے ہوئے رنگے ہاتھ پکڑ لیا جاتا، تو عورت کا خاندان اسے "کالی" قرار دے کر قتل کر دیتا اور مجرم مرد کے خاندان سے مطالبہ کیا جاتا کہ وہ اسے "کالا" قرار دے کر قتل کر دے۔ اگر وہ اپنے مرد کو قتل نہ کرتے تو عورت کا متاثرہ خاندان موقع پر کر اسے بھی قتل کر دیتا۔ ڈیرہ غازی خان اور راجن پور میں "کالا کالی" کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اندرونِ سندھ میں بھی اس کا تناسب وہ نہیں ہے، جس کا پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ کالاکالی، کے حق میں اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ یہ رسم محض عورتوں کے خلاف نہیں ہے، مردوں کو بھی اس قبائلی سزا سے گزرنا پڑتا ہے۔ دراصل بعض قبائل نے بدکاری کی لعنت کے خاتمہ کے لئے صدیوں سے اس سزا کے رواج کو برقرار رکھا ہے۔ اس کا اصل جذبہ محرکہ عورت کی آبرو کا تحفظ ہی ہے۔

قبائلی روایات کا یہ خود کار نظام ہے جو پولیس کے بغیر ایسے علاقوں میں اخلاقی جرائم کی روک تھام کے لئے مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔

آب آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ مسئلہ زیر بحث کے متعلق اسلامی احکامات کی نوعیت کیا ہے؟

اس میں شک نہیں غیرت کے جوش میں آ کر اپنی عورتوں کو قتل کر دینے کا اسلام حکم نہیں دیتا۔ لیکن یاد رہے کہ اسلام حمیت کے جوش میں کئے جانے والے قتل اور قتلِ عمد میں فرق روا رکھتا ہے۔ اسلامی فقہا کی عظیم اکثریت غیرت کے فوری اشتعال کے نتیجے میں ہونے والے قتل کو عام قتل کی طرح قابل مواخذہ نہیں سمجھتی.....

تمام دنیا میں فوری اشتعال (Sudden Provocation) کے نتیجہ میں کئے جانے والے جرائم بالخصوص عزت کے جرائم کو بالکل مختلف تناظر میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے۔ پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں ایک باپ یا خاوند کو اپنی بیٹی یا بیوی کو قابل اعتراض حالت میں دیکھ کر قتل کیے جانے والے واقعات میں نرم سزا دیتی یا بری کر دیتی ہیں، تو یہ اسلام کے جرم و سزا کے نظام کے عین مطابق ہے۔ ایسے فیصلہ جات کے خلاف NGOs یا عاصمہ جہانگیر کا واویلا بے بنیاد ہے۔

غیرت کے جوش میں آ کر اپنی عورتوں کو قتل کر دینے کا مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے دوران بھی یہ مسئلہ بڑے شدومد سے زیر بحث رہا ہے۔ اسلام نے پاکدامن عورتوں پر بے جا الزام تراشی کرنیوالوں پر حدِ قذف جاری کرنے کا حکم دیا۔ قذف کا مسئلہ عام طور پر دوسری عورتوں کے لیے تھا۔ اچانک یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ ایک خاوند اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس وقت تک آیت لعان ابھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سورۃ نور آیت نمبر ۶ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"حدِ قذف کا حکم جب نازل ہوا تو لوگوں میں یہ سوال پیدا ہو گیا کہ غیر مرد اور عورت کی بدچلنی دیکھ کر تو

آدمی صبر کر سکتا ہے، گواہ موجود نہ ہوں تو زبان پر قفل چڑھالے اور معاملے کو نظر انداز کر دے۔ لیکن وہ اگر اپنی بیوی کی بدچلنی دیکھ لے تو کیا کرے؟ قتل کر دے تو الٹا سزا کا مستوجب ہو۔ گواہ ڈھونڈنے جائے تو ان کے آنے تک مجرم کب ٹھہرا رہے گا۔ صبر کرے تو آخر کیسے کرے۔ طلاق دے کر عورت کو رخصت کر سکتا ہے، مگر نہ اس عورت کو کسی قسم کی مادی یا اخلاقی سزا ملی، نہ اس کے آشنا کو۔ اور اگر اسے ناجائز حمل ہو تو غیر کا بچہ اُس کے گلے پڑا۔ یہ سوال ابتداء تو حضرت سعد بن عبادہؓ نے ایک فرضی سوال کی حیثیت میں پیش کیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ میں اگر خدانخواستہ اپنے گھر میں یہ معاملہ دیکھوں تو گواہوں کی تلاش میں نہیں جاؤں گا بلکہ تلوار سے اسی وقت معاملہ طے کر دوں گا (بخاری و مسلم) لیکن تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ بعض ایسے مقدمات عملاً پیش آگئے جن میں شوہروں نے عملاً یہ معاملہ دیکھا..... ہلال بن امیہ نے آکر اپنی بیوی کا معاملہ پیش کیا جسے انہوں نے بچشم خود ملوث دیکھا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ثبوت لاؤ، ورنہ تم پر حدقذف جاری ہو گی" صحابہؓ میں اس پر عام پریشانی پھیل گئی۔ اور ہلال نے کہا: اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے! میں بالکل صحیح واقعہ عرض کر رہا ہوں جسے میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ میرے معاملے میں ایسا حکم نازل فرمائے گا۔ جو میری پیٹھ بچادے گا اس پر آیت "لعان" نازل ہوئی..... "(بخاری، ابوداؤد)

لعان اسلامی شریعت میں قانونی اصطلاح ہے جس کی روشنی میں الزام لگانے والے خاوند اور الزام علیہ بیوی کو، خدا کو گواہ بنا کر پانچ پانچ مرتبہ اپنی بات کے ثبوت میں قسمیں کھانی پڑتی ہیں۔ اگر دونوں پانچ پانچ قسمیں کھالیں تو ان میں جدائی کرادی جاتی ہے۔ ہلال بن اُمیہ کی بیوی کے معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ تفریق کے بعد وضع حمل کی صورت میں پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ہلال بن امیہ کی بیوی کے وضع حمل کے بعد دیکھا گیا کہ اس کے بچہ کی صورت اس شخص سے ملتی تھی جس کے بارے میں اس پر الزام لگایا گیا تھا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر قسمیں نہ ہوتیں (یا خدا کی کتاب ہی فیصلہ نہ کر چکی ہوتی) تو میں اس عورت سے بری طرح پیش آتا"

آیت لعان کے ضمن میں شریعت کے اصولوں پر بحث کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"جو شخص بیوی کی بدکاری دیکھے اور لعان کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے قتل کا مرتکب ہو جائے، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ اس کو بطور خود حد جاری کرنے کا اختیار نہ تھا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے قتل پر کوئی مواخذہ ہوگا بشرطیکہ اسکی صداقت ثابت ہو جائے۔ امام احمدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ اس امر کے دو گواہ لانے ہوں گے کہ قتل کا سبب یہی تھا۔ لعان سے پہلو تہی کرنے والی عورت کے بارے میں ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اسے سنگسار کر دیا جائے۔"

اسلام کے نظام عفت و عصمت کا مطالعہ کیا جائے تو اسلامی معاشرے میں غیرت و حمیت کے معاملہ میں جذباتی رد عمل ایک فطری بات نظر آتی ہے۔ خاندانی آبرو کی تلافی یا تباہی کا احساس ایک غیور انسان کو اندر سے ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ اگرچہ اس معاملہ میں بھی اسلام کی منشا اور ترجیح عورتوں کے فوری قتل کی بجائے اسلام کے بیان کردہ طریقہ

کار کے مطابق عمل کرنا ہے۔ لیکن جذبات کی شدت میں ہر آدمی سے صبر و تحمل کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ واقعہ افک کے معاملہ میں رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تقریباً ایک ماہ تک شدید متاثر رہے تھے۔ جب تک کہ آیات برأت نازل نہ ہوئیں حالانکہ آپ کو ان الزامات کے غلط ہونے پر سو فیصد یقین تھا۔ آپ نے صبر و تحمل فرمایا لیکن ایک عام مسلمان کا رویہ بالکل وہی ہوتا ہے جس کا اظہار سعد بن عبادہؓ نے کیا تھا۔ پاکستان میں غیرت کے نام پر قتل کی وارداتوں کا ایک اہم سبب شرعی حدود کے نفاذ میں کوتاہی بھی ہے۔ جب لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ ریاستی مشینری بالکل غیر موثر ہے تو وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کر لیتے ہیں۔

غیرت کے جرائم (Crime of Honour) کا ارتکاب مختلف تناسب کے ساتھ تقریباً ہر معاشرہ میں کیا جاتا ہے۔ یورپ و امریکہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ آج سے دو سال قبل امریکہ میں مشہور کھلاڑی او۔ جے سمپسن (O.J.Simpson) کا مقدمہ بنیادی طور پر "غیرت کے قتل" کا مقدمہ تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو ایک دوسرے شخص کے ساتھ دیکھا تو غصہ پر قابو نہ پاتے ہوئے دونوں کو ڈھیر کر دیا۔ ایک معروف امریکی رسالہ میں امریکی فلمی ہیرو (Van Dam) کا ایک انٹرویو شائع ہوا جس میں ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ "اگر وہ اپنی بیوی کو کسی مرد کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھے، تو یا تو اپنی بیوی کو قتل کر دے گا یا اپنے آپ کو".....دراصل غیرت کے معاملات میں اشتعال میں آنا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ اس معاملہ کو سماجی اقدار کا حصہ کبھی نہ بنایا جاتا اگر یہ انسانی فطرت سے متصادم ہوتا۔

یورپ و امریکہ میں اگر غیرت کے جرائم مکمل طور پر ختم نہیں ہوئے تو پاکستانی معاشرت میں ان کے صدور کے امکانات کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ غیرت کے نام پر قتل دراصل رد عمل ہے ایک ناپسندیدہ عمل کا یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ جب تک ایک عمل کو ختم نہیں کر لیا جاتا، اس کے رد عمل پر قابو پانا ممکن نہیں ہوتا۔

پاکستان کی NGOs کی بیگمات اگر غیرت کے نام پر قتل کی واردات کی روک تھام میں کسی بھی اعتبار سے سنجیدہ ہیں۔ تو انہیں اس کے اسباب و عوامل پر غور کرنا چاہیے۔ انہیں غیرت و حمیت کا جنازہ نکالنے کی بجائے پاکستانی معاشرہ سے فحاشی، عریانی اور شہوت رانی کے سد باب کے لئے کوششیں بروئے کار لانی چاہییں۔ انہیں گھر سے فرار ہو کر آنے والی لڑکیوں کو تحفظ دینے کی بجائے نوجوان لڑکیوں کی اخلاقی تربیت کے مراکز قائم کرنے چاہئیں۔ ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ وہ غیرت کے نام پر قتل کے خلاف چلائی جانے والی مہم کی آڑ میں در حقیقت "غیرت" کو ہی "قتل" کرنے کے درپے ہیں۔

آخر میں ہم حکومت پاکستان سے گزارش کریں گے کہ وہ مغرب زدہ بیگمات کے مٹھی بھر ٹولہ کے اس مطالبہ کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھے کہ غیرت کے نام پر قتل کو "قتل عمد" قرار دیا جائے۔ پاکستان کے محب وطن دانشوروں کو پاکستانی عوام کو بے حمیت بنانے کی خطرناک سازش کو ناکام بنانے کے لئے جوابی مزاحمتی تحریک برپا کرنی چاہیے۔ پاکستانی عدلیہ کے فاضل جج صاحبان مغربی سرمایہ سے چلنے والے ملک دشمن NGOs کے دباؤ سے آزاد رہتے ہوئے خالصتاً اسلامی تعلیمات اور ہماری شاندار سماجی اقدار کی روشنی میں عدل و انصاف کا پرچم بلند رکھیں۔